پروفیسر اکبر حیدری کشمیری

ملّا محمد طاہر غنی کشمیری

(حیرت انگیز انکشاف)

راقم حروف نے کشمیر کے مقتدر اخبار 'سری نگر ٹائمز' مورخہ ۴/ جنوری ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں حکیم امتیاز حسین صاحب کا محققانہ اور فاضلانہ مضمون ''غنی کشمیری'' بغائر نظر پڑھا۔ ذیل میں ہم اسی تناظر میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

پروفیسر ایڈورڈ براؤن ماہر ادبیات فارسی کیمبرج یونیورسٹی (م- ۱۹۲۶ء) نے تاریخ ادبیات فارسی (A Literary History of Persia) کی جلد چہارم میں لکھا ہے کہ اہل ایران ہندوستانی فارسی شعرا میں امیر خسرو اور غنی کشمیری کو مستند شاعر مانتے ہیں۔ برصغیر کے عظیم فلسفی شاعر علامہ اقبال غنی کشمیری کو اپنا محبوب شاعر قرار دیتے تھے اور ان کے اشعار پر تضمین بھی لکھتے تھے۔ جاوید نامہ میں علامہ نے غنی کے عمل، کردار اور حسن سیرت کو سراہا اور حریت و آزادی کشمیر کے لئے غنی کو سالار سادات شاہ ہمدان کی طرف مخاطب کرکے کہلواتے ہیں ۔

ہند را ایں ذوق آزادی کہ داد ؟   صید را سودائے صیادی کہ داد ؟
آں برہمن زادگان زندہ دل   لالۂ احمر ز روئے شاں خجل
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش   از نگاہ شاں فرنگ اندر خروش
اصل شاں از خاک دامنگیر ماست   مطلع ایں اختراں کشمیر ماست

ایں ہمہ سوزے کہ داری از کجاست
ایں دم باد بہاری از کجاست

مجھے بھی عرصۂ دراز سے غنی کے ساتھ دلچسپی ہوتی رہی ہے۔ ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں دیوان غنی کے متعدد قلمی نسخوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ برصغیر کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک میں بھی نسخے موجود ہیں۔ ابھی کچھ دن ہوئے کہ گذشتہ دسمبر میں دیوان غنی کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ مطبوعہ (مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خان لکھنو) ۱۲۶۱ ہجری (مطابق ۱۸۴۵ء) کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنؤ میں میری نظر سے گذرا۔ یہ نہایت ہی کمیاب نسخہ ہے۔ اور ۲۱/ مسطر میں ۱۴۴/ صفحوں پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۱۴۰ سے ۱۴۳ تک ''تمت'' کے تحت غنی کے مختصر حالات معاصرین کے تذکروں سے لکھے گئے ہیں۔ ایک جگہ یہ عبارت ملتی ہے کہ جب ہندوستان سے کوئی شخص ایران جاتا تھا تو میرزا صائب اس سے

دریافت کرتے تھے کہ "برائے ما تحفہ از ہند آوردۂ ؟ و آں عبارت است از اشعار غنیؔ"۔ یہ بھی مشہور ہے کہ صائبؔ کہتے تھے کہ کاش غنیؔ مجھے یہ شعر عنایت کرتے تو میں اس کے عوض اپنا پورا کلام ان کی نذر کرتا ۔

حسن سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

دیوان کے آخر میں مرزا محمد علی ماہرؔ اکبر آبادی کا وہ قطعۂ تاریخ بھی ہے جو غنیؔ کی وفات پر لکھا گیا۔ مادہ یہ ہے "آگاہ ہے سوئے دار بقا از دار فانی شد" ۱۰۷۹ ہجری۔

آخر میں "تتمہ" (خاتمۃ الطبع) کے تحت ذیل کی مفید عبارت درج ہے :

"ایں احقر عباد اللہ الغفور، محمد مصطفیٰ خان ولد حاجی محمد روشن خان مبرور و مغفور ایں نسخۂ نادرہ دواوین معاصرین را از شرح عمدۂ شارحین خلیفہ عبد الرزاق یمینی ...... و دیگر نسخ صحیحۂ قدیمہ و کتب اصطلاحات (کذا) لغات و تحشی میر ناصر علی متخلص بہ قیصر بپایۂ تصحیح رسانیدہ و اشعار شعری شعار و دیگر تصانیف لطیفش را بر طبق نسخۂ مرقومہ ۱۱۰۲ھ یکہزار و یک صد و دو بخط ولایت نہایت پسندیدۂ ارباب این فن منقول و مرتب کنانیدہ در مطبع مصطفائی واقع محلّہ محمود نگر زیر اکبری دروازہ من محلات بیت السلطنت لکھنو بتاریخ بست و ہفتم رمضان المبارک ۱۲۶۱ھ پیرایہ طبع پوشانیدہ"۔

یہ نسخہ نہایت دیدہ ریزی اور ذمہ داری کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ پورا دیوان متن میں لغات اور حواشی کے ساتھ آراستہ کیا گیا۔ اس کی خاص اہمیت یہ ہے کہ غنیؔ کے حالات میں دو معاصر تذکروں سے استفادہ کیا گیا ہے :

(۱) تذکرۂ محمد بدیع الزمان نصر آبادی (سال تصنیف ۱۰۸۳ھ۔ مطابق ۱۶۷۲ء)
(۲) تذکرۂ کلمات الشعرا، از محمد افضل سرخوشؔ (سال تصنیف ۱۰۹۳ھ۔ مطابق ۱۶۸۲ء)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرخوشؔ، ملّا طاہر غنیؔ کشمیری کی حیات میں ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں بعہد شاہ جہاں کشمیر آئے تھے اور اغلب ہے کہ غنیؔ سے بھی ملاقات کی ہوگی۔ متذکرہ بالا غنیؔ کے اولین تذکرہ نگاروں نے غنیؔ کا نام ملا محمد طاہر نمایاں طور پر درج کیا ہے۔ یہی نام غنیؔ کے شاگرد اور مرتب دیوان غنی مسلمؔ نے بھی دیباچۂ دیوان میں لکھا ہے۔ مسلمؔ کے الفاظ یہ ہیں :

"مرحومی مولانا طاہر غنیؔ است کہ بشرف ودیعت ایں خزانہ رسیدہ، و تخلص غنیؔ ....."

معلوم نہیں کہ خواجہ اعظم دیدہ مری کی تاریخ "واقعات کشمیر" کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں غنیؔ کو فرقۂ اشائی سے کیوں کر منسوب کیا گیا ہے۔ ان نسخوں میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ غنیؔ کا انتقال محسنؔ فانی کی وفات کے آٹھ ماہ کے بعد ہوا، جو غلط

ہے۔دیدہ مری کے الفاظ یہ ہیں :

''درکمال جوانی بعد از واقعہ شیخ محسن فانی بہ ہشت ماہ فوت شد''۔

دراصل فانی کا انتقال غنی کے تین سال کے بعد ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱-۱۶۷۲ء) میں ہوا تھا۔دیدہ مری کے ایک اور قلمی نسخہ (مملوکہ نیشنل آرکائیوز، دہلی) کے صفحہ ۳۹۳ میں غنی کا سال وفات ''درسال ہزار و ہشتاد و نہ (۱۰۸۹ھ) لکھا گیا ہے۔

یہ واضح ہوگیا ہے کہ معاصر تذکروں میں غنی کے نام کے ساتھ لفظ ''اشائی'' یا ''عشائی'' درج نہیں ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ الفاظ کہاں سے آئے ہیں اور ان کی حقیقت کیا ہے۔

ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی نے اپنی کتاب ''غنی کشمیری'' (صفحہ ۱۰۶ تا 115) مطبوعہ جموں و کشمیر اکادمی.... میں ''اَشائی'' اور ''عشائی'' کی بحث پر کئی صفحے لکھے۔جن کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) آشائیوں کے مورث اعلیٰ سید علی ہمدانی (وفات ۷۸۶ھ مطابق ۱۳۸۵ عیسوی) کے ساتھ بخارا سے کشمیر آیا تھا۔امیر کبیر شاہ ہمدان ہمیشہ اس کے پیچھے نماز عشا پڑھتے تھے۔اس طرح اس کا لقب عشائی ہوگیا۔لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ وہ کیسے ''اشائی'' ہوگیا تھا۔شیروانی صاحب کا (صفحہ ۱۰۷) یہ بھی کہنا ہے کہ پاکستان کے ایک رسالہ ''ہلال'' کراچی (صفحہ ۴۳ بابت جون ۱۹۶۳ء) میں درج ہے کہ غنی کشمیری کے جد بزرگوار کا نام خواجہ سنگین تھا۔وہ ہر شام سید علی ہمدانی کے ساتھ گزارتے تھے۔ایک دن وہ غیر حاضر رہے تو شاہ ہمدان نے فرمایا کہ ''عشائی ما کجاست'' (ہمارے عشائی کہاں ہیں؟) اس دن سے وہ عشائی ہوگئے۔

تاریخ حسن جلد اول صفحہ ۱۴۱ میں ''قوم اشائی'' کے عنوان کے تحت درج ہے کہ :

''در زمان سلاطین کشمیر دریں جا آمدہ اند۔گویند جدِّ آنہا از مقام عیشاور کہ دِہے است در ممالک خراسان، آمدہ در مصاحبت بڈشاہ (۸۲۷-۸۷۹ھ مطابق ۱۴۲۴-۱۴۷۴ء) سرفراز شدہ بود۔حالا مردم کشمیر عیشاور را اشائی مخفف کردہ اند''۔

ترجمہ: ''اشائی قبیلہ سلاطین کشمیر کے زمانہ میں یہاں آیا۔کہا جاتا ہے کہ اشائیوں کا جد خراسان کے ایک گاؤں عیشاور سے آکر بڈشاہ کی رفاقت میں سرفراز ہوا تھا۔اب کشمیریوں نے اشائی کو عیشاور کا مخفف بنادیا ہے''۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عیشاور یا ایشاور کے بارے میں میں نے دریافت کیا کہ کیا خراسان میں کوئی گاؤں یا قصبہ کبھی رہا ہے تو ایرانیوں سے نفی میں جواب ملا۔

جن ایام میں راقم حروف ڈائریکٹوریٹ آف لائبریریز اور ریسرچ سے وابستہ تھا تو اس کی نظر سے خاندان عشائی کے بارے میں ایک مختصر رسالہ قلمی بیس صفحوں پر مشتمل گزرا تھا۔رسالے پر کسی کاتب کا نام یا سال کتابت درج نہیں تھا۔اس کا کاغذ ساٹھ ستر سال پرانا ہوگا۔اس کی ابتدا میں جو عبارت تھی اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''عیشائیوں کے جد خواجہ سنگرام عشائی حضرت میر سید ہمدانی کے ہمراہ شالکوٹ سے کشمیر آئے اور قطب الدین پورہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ ان کے بیٹے خواجہ ابراہیم تھے اور ان کے بیٹے خواجہ محمد طاہر رفیق تھے۔ رفیق صاحب کا انتقال ۱۰۰۱ ہجری (۱۵۹۳ء) میں ہوا۔ ان کی چار اولادیں تھیں۔ تین بیٹے اور ایک لڑکی۔ بیٹوں کے نام تھے: (۱) شیخ محمد (۲) شیخ قاسم (۳) شیخ محمد صالح۔ لڑکی کا نام مریم بی بی تھا۔ رسالے میں غنی کشمیری کا نام ونشان نہیں ملتا ہے۔

مشہور مورخ کشمیر محمد الدین فوق کی کتاب ''تاریخ اقوام کشمیر'' مطبوعہ ظفر برادرس لاہور جون ۱۹۳۴ء نہایت کمیاب ہے۔ میرے کتب خانے میں اس کا ایک مکمل نسخہ موجود ہے۔ فوق نے عشائی خاندان اور اس کے مورث اعلیٰ کا ذکر (صفحہ ۲۳۱-۲۳۷) تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ذیل میں انہی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

''عشائی فرقہ موضع عشورہ واقعۂ خراسان (موجودہ مزار شریف افغانستان جہاں حضرت علی کا روضہ ہے۔ فوق) سے کشمیر آیا۔ اصل نام عشاوری تھا۔ عشاوری سے عشائی ہوگیا۔ جد اعلیٰ اس فرقہ کا خواجہ سنگین نماز عصر سے تا نماز عشا مسجد میں ہی رہا کرتے تھے۔ اس لئے ان کا نام عشائی ہوگیا۔ فوق ایک دوسری روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ خواجہ سنگین رات کا کھانا لازمی طور پر حضرت امیر کبیر کے دسترخوان پر کھایا کرتے تھے۔ ایک دن خواجہ سنگین عشا کے وقت حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت نے پوچھا ہمارا عشائی کہاں گیا۔ ساڑھے چھ سو سال گزر جانے پر بھی عشائی کا لفظ آج تک موجود ہے۔ فوق یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی عشائی نے ان سے کہا تھا کہ ان کے جد خواجہ سنگین کشمیری الاصل تھے اور میر سید علی ہمدانی کے کشمیر آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ صفحہ ۲۳۸ میں مزید لکھتے ہیں کہ :

''خواجہ رفیق عشائی اولاد نرینہ سے محروم تھے''۔

خواجہ اعظم دیدہ مری اور دوسرے لوگوں کے ان مبہم، غیر واضح اور متضاد بیانات سے کسی مربوط نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہے۔ ان بے سروپا اور من گھڑت افسانوں کے تراشنے سے غنی کا اشائی یا عشائی ہونا ثابت نہیں ہے۔ اس پیچیدہ عقدہ کو خود ان کے شعر نے صدیوں کے بعد حل کر دیا ہے کہ خاندانی مسلک بوترابی تھا۔ یعنی انہیں آلِ محمدؐ سے والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ نیز یہ شعر اسلامی کردار اور اسوۂ محمدیؐ کا آئینہ دار ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

زیباست خوئے آتشی اولاد بولہب را

تو ابن بوترابی باید کہ خاک باشد

غنی کے شعر کا مفہوم میر انیس کے اس شعر میں دیکھا جا سکتا ہے ؎

انیس عمر بسر کر دو خاکساری میں

کہے نہ کوئی غلام ابوتراب نہیں

ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی نے نہ معلوم کس بنیاد پر غنی کے اس بلند پایہ شعر کو اپنی کتاب ''غنی کشمیری'' صفحہ ۱۰۸ میں بے کار،

بے معنی اور تنگ بندی سے تعبیر کیا ہے۔ شاید شیروانی صاحب کی نظر سے اقبال کا یہ شعر نہیں گزرا ہے ؎

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گنہگار بو ترابی ہے

یہ بات قابل غور ہے کہ فوق نے بھی غنی کا یہ پسندیدہ شعر ''تاریخ اقوام کشمیر'' جلد دوم صفحہ ۱۹۵ میں ''مولانا غنی اشائی کاشمیری'' کے نام سے درج کیا ہے۔ یہاں بھی انہوں نے عشائی کے بدلے ''اشائی'' ہی لکھا ہے۔

غنی کے سوانح نگاروں نے کبھی یہ لکھنے کی زحمت نہیں کی کہ ملا غنی کی جائے ولادت، ان کا مکان اور مقبرہ کہاں ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ بے بنیاد اور گمراہ کن ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ غنی خواجہ رفیق عشائی کے خاندان سے وابستہ تھے اس لئے وہ خاندانی قبرستان محلہ فتحکدل میں دفن ہیں۔ ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نے اپنا ڈی-لٹ کا مقالہ بعنوان کشیر (KASHIR) لکھا جس کو پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۴۹ء میں دو جلدوں میں شائع کیا۔ صوفی صاحب نے غنی کا تذکرہ جلد دوم میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ غنی قطب الدین پورہ (گرگاڑی محلہ زینہ کدل) میں رہتے تھے اور وہیں دفن ہیں۔ کشیر کے پہلے ایڈیشن میں غنی کے مکان یا ان کی قبر کی کوئی تصویر نہیں چھپی تھی۔ مسٹر جی-ایل تکو اپنی کتاب ''پارسی سرایان کشمیر'' (صفحہ ۳۶) میں لکھتے ہیں کہ غنی سری نگر میں پیدا ہوئے۔ اس پر شیروانی صاحب نے یہ اضافہ کیا کہ غنی کے مکان کی نشاندہی ڈائرکٹر آف لائبریریز کے ایک خط نمبر 2534/PR مورخہ ۲۵/نومبر ۱۹۶۴ء سے ہوتی ہے جو ڈائرکٹر صاحب نے درج ذیل الفاظ میں مسٹر تکو کو لکھا تھا :

> "The photo of Mulla Ghani Kashmiri's house where he was born and lived for some'times is published by G.M.D. Sufi in his book Kashir Vol. 11 P.364. Govtt. has preserved this as a protected monument "Ghanis' house".

یہاں یہ کہنا مناسب ہے کہ صوفی کی کشیر کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا اور ڈائرکٹر صاحب موصوف کی ترغیب پر غنی کے مکان اور قبر کی تصویریں محض اپنے دفتر کی شہرت کے لئے دوسری جلد میں شائع کرا دیں۔

درا صل غنی کے مقبرے کا مسئلہ بھی ان کے مکان کی طرح معمہ بن گیا ہے۔ غنی کے تذکرہ نگاروں کے جتنے منہ اتنی ہی باتیں بھی ہیں، اور باتیں بھی ایسی جو محض غلط ہیں۔ شیروانی صاحب (غنی کشمیری صفحہ ۱۵۴) لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صوفی نے غنی کی قبر کا جو فوٹو اپنی کتاب میں شائع کیا ہے اس پر لکھا ہے کہ یہ قبر زینہ کدل سری نگر میں واقع ہے۔ لیکن جو تصویر تکو نے اپنی کتاب ''پارسی سرایان کشمیر'' (صفحہ ۴۰) میں چھاپی ہے اس سے ڈاکٹر صوفی کی تکذیب ہوتی ہے کہ غنی کی قبر زینہ کدل میں ہے۔ ڈائرکٹر لائبریریز اینڈ ریسرچ حکومت جموں و کشمیر نے ڈاکٹر تکو کو مطلع کیا تھا کہ غنی کی قبر اشائی خاندان کے مقبرے راجوری کدل میں موجود ہے۔ ڈائرکٹر صاحب کے خط کے الفاظ جو شیروانی نے صفحہ ۱۵۴ میں

درج کئے ہیں، یہ ہیں :

"The photo of the grave of Ghani published by Sufi in KASHIR is doubtful, but according to the local tradition there is a grave in Ashai graveyard situated as mohalla Syed Sahib Rajware Kadal, Srinagar, just a few Chains from Ghani's house which is called Ghani's grave, but there is no inscription on the grave stone. Dr. G.L. Tikku has published the photo of that grave in his book".

غنی کے مکان اور آخری خواب گاہ کی تصویریں بھی ڈاکٹر شیروانی نے جموں وکشمیر کلچرل اکادمی کے تعاون سے ''غنی کشمیری'' مطبوعہ مارچ ۱۹۷۲ء کی ابتدا میں شائع کی ہیں۔ پہلی تصویر میں غنی کا بہت بڑا سہ منزلہ مکان ہے۔ اس کے نیچے درج ذیل عبارت ہے :

''رہائش گاہِ غنی (محلہ سید بلا دوری) سری نگر''۔

مکان کی پشت پر قبر غنی کے نیچے یہ الفاظ مرقوم ہیں :

''مزارے نزدِ منزل غنی۔ محققین دعویٰ دارند کہ غنی در ین مدفون ہست''۔

یعنی غنی کا مقبرہ غنی کے مکان کے متصل واقع ہے۔ محققین کا دعویٰ ہے کہ غنی یہاں دفن ہیں۔

ڈاکٹر صوفی، ڈاکٹر تکو، ڈاکٹر شیروانی اور دوسرے لوگوں کا یہ کہنا لغو اور نقش برآب ہے کہ غنی راجوری کدل میں اتنے بلند و بالا مکان میں آج سے کوئی ساڑھے تین سو سال پہلے رہائش پذیر تھے۔ ان نام نہاد محققین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ غنی کا مقبرہ ان کے مکان کے چند قدم پر ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ خود غنی کے کلام سے ثابت ہے کہ وہ ایسے مفلس اور قانع تھے کہ ٹوٹے پھوٹے حجرے میں رہتے تھے۔ ان کے پاس سوائے کاغذ اور قلمدان کے اور کوئی مال واسباب نہیں تھا۔ خود غنی کا شاگرد دیباچۂ غنی میں لکھتا ہے :

''واز اسباب ایں جہانش کاغذے وقلمدانے از عزلت وانزوائی ذاتی بغیر از سخنانِ وحشی رام نمی شد''۔

غنی نے اپنے چھوٹے سے مکان کی شکستگی اور تنگی وتاریکی کا ذکر متعدد اشعار میں کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

(۱) دیوار و درِ خانۂ ما گر چہ ز ہم ریخت — صد شکر کہ در خانۂ ما نیست غبارے

یعنی ہمارے گھر کے در و دیوار بھی گر گئے ہیں۔ شکر ہے کہ اب جھاڑو دینے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

(۲) تنگ وتاریک است ہمچو نغمہ نے خانہ ام — رخنۂ دیوار، باشد روزنِ کاشانہ ام

اس شعر میں غنی نے اپنے حجرے کو بانسری کے کھوکھلا پن اور اس کی تنگی و تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔ بانسری میں جو چھوٹے چھید ہوتے ہیں ان کو روشندانوں سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) خانہ ام را عاقبت گردید بام و در یکے   بسکہ ہچو مور گشتم پائمالِ روزگار

آخر کار میرا حجرہ شکستگی کی وجہ سے زمین بوس ہو گیا اور میں چیونٹی کی طرح زمانہ کے ہاتھوں روندا گیا۔

فوقؔ نے اپنی کتاب ''مشاہیر کشمیر'' میں ایک روایت بیان کی ہے کہ غنیؔ ایک حجرے میں رہتے تھے۔ جب کمرے میں ہوتے تھے تو اندر سے دروازہ بند کرتے تھے اور جب باہر نکلتے تھے تو دروازہ کھلا رکھتے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ ''دکان کا اصلی مال تو میں ہوں، جب میں ہی نہیں ہوں تو دروازہ بند چہ معنی دارد''۔ علامہ اقبال کو فوقؔ کی یہ روایت پسند آئی اور انہوں نے اسے پیامِ مشرق میں یوں نظم فرمایا ؎

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر   نوا سنجِ کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت   چو رفت از سرا، تختہ را وا گذاشت
یکے گفتش اے شاعرے دل ربے   عجب دارد از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر   فقیر و بہ اقلیم معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاراں رواست   دریں خانہ جز من متاعے کجاست
غنیؔ تا نشیند بہ کاشانہ اش   متاعِ گراں است در خانہ اش
چو آں محفل افروز در خانہ نیست
تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

نیا انکشاف :- کتب تواریخ میں مرقوم ہے کہ میر محمد ہمدانی (فرزند میر سید علی ہمدانی) جب وارد کشمیر ہوئے تو اور لوگوں کے علاوہ ملاّ سعید الدین بھی ان کے ہمرکاب تھے اور یہی ملاّ محمد طاہر غنی کے جداعلیٰ قرار دیئے جاتے ہیں۔ میر محمد ہمدانی نے اپنے والد بزرگوار کی ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی جو خانقاہِ معلّٰی کے نام سے آج تک مرجع خلائق ہے۔ اس زمانے میں خانقاہ کی اراضی کوسوں دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ملا سعید ہمدانی بھی خانقاہ کے متصل ہی قیام پذیر تھے۔ اور ان کی قبر آج سے ستّر اسّی سال قبل احاطۂ خانقاہ میں موجود تھی۔ جب میر شمس الدین عراقی (متوفی ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۶ء) خانقاہ معلّٰی کے مختارکل اور متولی مقرر کئے گئے تو انہوں نے زائرین کے لئے اقامت گاہ اور لنگر خانہ بنوایا جو آج تک محلّہ شمس واری کے نام سے موجود ہے۔ ملاّ سعید کی اولادیں یہیں رہتی تھیں۔

کشمیری امرا کے تعاون سے بابر کے خالہ زاد بھائی مرزا حیدر کاشغری نے ۹۴۷ ہجری (۱۵۴۰ء) میں کشمیر کو فتح کیا۔ اُس نے اپنے حواریوں کی مدد سے شیعوں، ہمدانیوں، نوربخشیوں اور شافعیوں کا قتل عام کر کے ان کو

صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ بڑے بڑے علمائے دین مثل میر سید دانیال (فرزند میر شمس الدین عراقی) باباعلی ذرویش مرید بابا اسماعیل شیخ الاسلام وغیرہ کو جھوٹے مقدموں میں ملوث کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ انسانیت اتنی مر چکی تھی اور انسان اس قدر درندہ ہو گیا تھا کہ میر شمس الدین کے عقیدت مندوں کا صفایا کر کے ان کی میّت کے ساتھ انتہائی بے ادبی کی اور حکم دیا تھا کہ ان کی قبر میں روزانہ ایک ہزار حطب نذر آتش کی جائے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ اور کتب تواریخ میں ان سانحات کی تاریخ ''دشتِ کربلا'' یعنی ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء لکھی گئی ہے۔ جو بچے کھچے لوگ رہ گئے وہ اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ ایک شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دار و گیر اور رستخیز کے عالم میں ملا سعید کی اولادیں نقل مکانی کر کے محلہ بابا پورہ متصل باباڈیم ہجرت کر گئیں۔ ایک مرتبہ ملا محمد طاہر غنی کشمیری کے زمانے میں باباڈیم میں ایسا سیلاب رونما ہوا کہ پانی سر سے گزرنے لگا۔ اس موقعہ پر غنی کا حجرہ بھی زیر آب آ گیا۔ وہ نہایت خوفزدہ اور پریشان ہو گئے کہ کشتی میں پناہ لے لی۔ اور بے ساختہ یہ رباعی منھ سے نکلی ۔

سیل است زشوقِ کلبۂ ام گرم شتاب   آرام بباد دادۂ ایں خانہ خراب
تا بر لب کشتیم زند بوسہ ہنوز   می گردد آب در دہانِ گرداب

مقبرۂ غنی واقع حسن آباد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مرزا حیدر (متوفی ۹۵۷ھ) کے انتقال کے بعد جب دولت خان چک نے کشمیر کی عنانِ حکومت سنبھالی تو انہوں نے اُن تمام فرقوں کو پھر سے بسایا جو مرزا حیدر کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے تھے۔ موصوف نے میر دانیال کے اجزائے میّت سمیٹ کر اپنے والد بزرگوار میر شمس الدین کے پہلو میں پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ عالم دین اور بزرگ ترین درویش باباعلی کی لاش کو حسن آباد میں سپرد خاک کیا گیا۔ دولت چک نے ہی باباعلی کے صاحبزادے بابا حسن کے نام محلہ حسن آباد کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہاں ایک بڑی خانقاہ اور باغات تعمیر کئے گئے تھے۔ مقبرے میں بڑے بڑے بلند قامت کتبے نصب کئے گئے تھے۔ جن پر آیات قرآنی کے علاوہ چہاردہ معصومین کے اسمائے گرامی کندہ تھے۔ ان میں سے کچھ فسادات میں چرائے گئے اور باقی ویران پڑے ہیں وہ ورثا اور ان کی اَسلاف فراموشی پر گریہ کناں ہیں۔ خواجہ دیدہ مری کا یہ کہنا غلط ہے کہ بابا پور میں باباعلی کی اولادیں آباد ہیں۔

یہ کہنا مناسب ہے کہ غنی گونا گوں بیماریوں کی وجہ سے آخرِ عمر میں ضعیف اور لاغر ہو گئے تھے۔ تذکرۂ نصر آبادی میں لکھا ہے کہ بادشاہ اورنگ زیب نے سیف خان (متوفی ۱۰۹۵ھ مطابق ۱۶۸۴ء) حاکم کشمیر کو لکھا تھا کہ غنی کو دارالخلافہ میں حاضر ہونے کے لئے کہا جائے۔ سیف خان نے غنی کو بلایا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ غنی نے انکار کیا اور کہا کہ بادشاہ سے کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے۔ خان نے کہا کہ ایک فرزانہ کو میں دیوانہ کیسے کہوں۔ غنی نے فوراً اپنا گریبان چاک کیا اور دیوانوں کی طرح اپنے گھر کو چلے گئے۔ اس کے تین دن کے بعد انتقال کر گئے۔ خاندانی روایت کے مطابق وہ اپنے بھائیوں کے پہلو میں دفن ہیں۔

ایران کے ایک عالمِ جید، فاضل یکتا اور بے مثال محقق و دانشور آقای بزرگ الطہرانی نے ایک کتاب بنام: " الذریة الیٰ تصانیف الشیعة " کئی جلدوں میں تالیف کی۔ ہندوستان وغیرہ میں یہ تمام جلدیں نہایت کم یاب اور کشمیر میں عنقا ہیں۔ الذریعہ میں شیعہ عالم دین، اہل قلم اور شعراوغیرہ کے تذکرے ہیں۔ الذریعہ مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ یہ تمام جلدیں عربی میں ہیں۔ جلد نہم حصہ سوم، مطبوعہ تہران صفحہ ۷۹۳ میں ملا محمد طاہر غنی کشمیری کو شیعہ قرار دیا گیا ہے۔ غنی کے آخر میں مسلم کی وہ رباعی بھی درج ہے جو غنی کی وفات پر کہی گئی تھی اور یہ ہے۔

از فوتِ غنی گشتہ کہ ومہ غمگین ہر کس شدہ در ماتم او خانہ نشیں
تاریخ وفاتش از پر سند بگو "پنہاں شد گنج ہنر ے زیر زمیں" ۱۰۷۹ھ

یہ بات قابل ذکر ہے کہ غنی کشمیری کا آخری زمانہ کشمیر میں انتہائی پُرآشوب اور پریشان کن تھا۔ سیف خان رسوائی زمانہ ظالم اور جابر حکمران تھا۔ لوگوں کو جھوٹے مقدموں میں پابند سلاسل کر کے تہ تیغ کرتا تھا۔ جو بھی اس کے حکم کی نافرمانی یا تاخیر کرتا تھا اُسے موت کے گھاٹ اُتارتا تھا۔ مشہور مورخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ کے بیٹے ملک حسین کو محض تعصب کی بنا پر قتل کیا۔ تاریخ میں اس قتل کا ذکر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

شد از ظلم و بیدادِ قوم یزید
حسینؑ ابن حیدر دوبارہ شہید

ہوسکتا ہے کہ غنی نے اسی لئے دہلی جانے سے انکار کیا ہوگا۔

مشہور مورخ کشمیر مولوی محمد الدین فوق (م - ۱۹۵۴ء) اپنی نادر و نایاب کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" جلد دوم صفحہ ۲۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۳ء میں "رسالۂ خانقاہ معلی صفحہ ۲۰، مرتبہ سعد الدین تارہ بلی مطبوعہ بروکا پریس سری نگر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

مولانا سعید الدین حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ ہی کشمیر آئے تھے اور یہیں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ ان کا مقبرہ اب تک زیارت شاہ ہمدانی کے متصل موجود ہے۔ مولانا محمد سعید الدین حضرت شاہ ہمدان کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ میر سعید ہمدانی نے جو وقف نامہ زیارت شاہ ہمدان کی آمدنی کے اخراجات کے متعلق لکھا ہے اس میں بھی محمد سعید کا نام آتا ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ وہاں درج ہیں۔

" برادرِ امجد مولانا محمد سعید طال اللہ عمرہ۔ تا دراں بقعہ متصرف باشد، بر احوالِ اعمال سکنان و مسافران باخبر باشد۔ بزرگان را خادم، کہتران را برادر، یتیماں را پدر باشد"۔

ترجمہ:- بزرگ ترین اور ہدایت یافتہ بھائی۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ جب تک یہ خانقاہ آپ کے تصرف میں رہے گی لوگوں کی اور زائرین کی دیکھ بھال کرنا۔ اپنے کو بزرگوں کا خادم، چھوٹوں کا بھائی اور یتیموں کا باپ سمجھنا۔

مولانا محمد سعید الدین کی ذریات چونکہ نقل سکونت کر کے سری نگر کے اور مقامات پر بھی رہی ہے، اس لئے اس کی بزرگی وعظمت کی وجہ سے جہاں جہاں اس نے قیام کیا وہ اسی جگہ اسی خاندان کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔ جیسے بابا ڈیم اور بابا پورہ۔ بابا عزت واحترام کا لفظ ہے جو ہر بزرگ کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اب یہ خاندان بابا پورہ میں ہی رہتا ہے۔

میرے سامنے آقائے سید علی موسوی مرحوم کے ایک انتہائی نادر الوجود رسالے کا عکس ہے جو میری رائے میں غالباً واحد نسخہ ہے اور جسے میری نظر میں ایک بیش بہا غیر مطبوعہ مخطوطے کی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا نام "کحلِ الجواہر" ہے جو قم (ایران) میں آج سے تقریباً ایک سو نوے (۱۹۰) سال قبل مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے مستند اور معتبر ہونے کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

"آنچہ مرا ابہم شد از مخبرات وکتب وتواریخ وذرائع موثقہ معتبرہ خاصۂ وقت تحصیل در معصومہ قم وبلاد مقدسہ بعد جمع آوری دریں وجیزہ نامیدم اور اکحلِ الجواہر"۔

کتاب کے آخر میں کئی علمائے عالم کے تبصرے، مہریں اور دستخط ثبت ہیں۔ پہلا تبصرہ مجتہد اعظم آقا محمد شریف مازندرانی حائری طاب ثراہ نے ۷/شوال ۱۲۳۸ ہجری (جون ۱۸۲۳ء) کو لکھا ہے۔ رسالہ کی کتابت محمد صادق انصاری نے ۱۵/ جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ (مئی ۱۸۴۸ء) کو ختم کی۔ بعد میں رسالہ سید رسول رضوی کشمیری کے اہتمام سے شعبان المعظم ۱۲۶۴ھ (مئی ۱۸۴۸ء) میں مطبع اسلامی لاہور میں شائع ہوا۔ صفحہ ۵ میں مولانا ملا محمد طاہر غنی کشمیری کو ملا محمد سعید ہمدانی کے اخلاف میں اثناعشریہ قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں پہلے مصنفِ کتاب کا اردو خلاصہ پھر اصل الفاظ فارسی درج کئے جاتے ہیں:

میرے یعنی صاحب کتاب میر سید علی موسوی کے جد بزرگوار میر سید سلطان حیدر موسوی اردبیلی کبروی حضرت امام موسیٰ کاظم باب الحوائج علیہ السلام کی بائیسویں پشت سے تھے۔ وہ سید شرف الدین بلبل شاہ ابن سید امین الدین جبرئیل کے ورود کشمیر کے بعد اپنے ماموں میر سید علی ہمدانی کے حکم سے اسلام کی نشر واشاعت کے لئے کشمیر آئے اور یہاں حیدر پورہ میں اسی مقام پر سکونت پذیر ہوئے جہاں سید علی ہمدانی کی صاحبزادی بی بی بارعہ دفن ہیں۔ حیدر پورہ میر سلطان حیدر موسوی اردبیلی کے نام سے منسوب ہے۔

ملا محمد سعید ہمدانی ۷۹۶ھ (مطابق ۱۳۹۳ء - ۱۳۹۴ء) میں میر محمد ہمدانی اور میر محمد مدنی کے ساتھ کشمیر آئے۔ ان کے علاوہ سید باقر مولفِ کتاب "نور" سید محمد اردبیلی (برادر میر سلطان حیدر اردبیلی) بھی تشریف لائے۔

ان کا مقبرہ مولہ شلہ ہبک (ٹینگن) میں ہے۔ میر سید حسین قمی سلطان سکندر بت شکن کے عہد سلطنت (۷۹۶-۸۲۰ھ/ ۱۳۹۴-۱۴۱۷ء) میں وارد کشمیر ہوئے۔ اور یہاں سیدہ پورہ (زینہ گیر) میں سکونت اختیار کی۔ بڈ شاہ زین العابدین نے موصوف کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ سید قمی صاحب نے ''حقیقت اسلام'' پر ایک کتاب ''صراط'' کے نام سے تصنیف کی۔ ملاّ احمد (اولین مورخ وقائع کشمیر) نے اس کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا تھا۔ ایک اور عالم زمانہ ملاّ عالم انصاری جو میر حسین قمی کے رفقا میں تھے ان کو سلطان بڈ شاہ نے مدرسۂ عالیہ کا ناظم مقرر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ میر سید حسین قمی کی ہدایت پر ملاّ انصاری نے امامیہ مذہب کے عقاید پر ایک رسالہ تصنیف کیا۔ اس کے علاوہ ملاّ انصاری نے ملاّ محمد سعید ہمدانی فاضلِ دہر، عالمِ متبحر اور میر محمد ہمدانی کے رفیقِ کار وتقویٰ شعار کی کتاب کی شرح لکھی۔ ایسی بے مثل کتاب چشم عالم نے نہیں دیکھی ہے۔ بزرگوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ مولانا ملاّ محمد طاہر غنی شاعر بے نظیر ملاّ سعید کی اولاد وں میں تھے۔ انہوں نے اپنے جدّ بزرگوار (ملاّ سعید ہمدانی) کی کتاب کی تفصیلی شرح بھی لکھی جو میری یعنی مصنف رسالہ سید علی موسوی کی نظر سے بھی گزری ہے۔

ملاّ محمد طاہر غنی کشمیری کے بارے میں سید علی موسوی کے الفاظ درج ذیل ہیں :

''می گویند کہ آں موصوف (یعنی ملا انصاری) ہم رسالۂ مشتمل بر عقاید ناجیۂ اثنا عشریہ بامرِ مرشدِ بزرگوار میر حسین قمی جمع آوردہ و بر کتابِ ملاّ سعید ہمدانی کہ از نوادر روزگار و افاضل اِقطار و رفقائے میر ہمدانی تقویٰ شعار بود۔ شرحے بکمالِ ایضاح نوشتہ کہ چشمِ عالم مثلِ آں ندیدہ۔ چنانچہ اَلسنۂ بزرگاں چنیں شنیدہ کہ مولانا ملاّ محمد طاہر غنی شاعر بے مثل کہ از احفادِ آں ذاتِ والا صفات است۔ توضیح آں شرح فرمودہ کہ بہ نظر قاصر ہم رسیدہ کہ در مسلکِ اثنا عشری کتابے است دلپذیر.......''۔

غنی کا کیا مسلک تھا اس بارے او پر معتبر شہادتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ اثنا عشریہ عقائد رکھتے تھے۔ اس کی مزید تائید ان کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ وہ آلِ محمد کی معرفت وعقیدت کو اپنا جزو ایمان سمجھتے تھے۔ غنی عالم تھے، فلسفی تھے، اور تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہیں آئینۂ اخلاق محمدیؐ میں علی ابن ابی طالب شرافت انسانی کا بہترین نمونہ نظر آتے ہیں۔ جتنی ذلت آمیز برائیاں یعنی اللہ کی نافرمانی کرنا، پیغمبری شریعت کو پس پشت ڈالنا، قتل و غارت گری اور لوٹ مار کرنا، جہاد، شجاعت اور سخاوت سے گریز کرنا، اولاد ابولہب کے انسان کش حربے ہیں۔ ایسے انسانوں پر قرآن نفرت کرتا ہے اور لعنت بھیجتا ہے۔ اس کی گواہی سورۂ لہب دیتا ہے۔ برعکس اس کے ابوترابی یعنی خاکساری انسانیت کی بقا کے لئے جوہر اخلاق کا بیش بہا نمونہ ہے۔

غنی کا یہ شعر اسوۂ محمدی کا آئینہ دار ہے اور پوری تاریخ اسلام دعوت ذوالعشیر ہ سے لے کر کربلا تک اس

میں بہترین انداز سے سموئی گئی ہے۔ اس شعر پہ نثر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

زیبا ست خوئے آتشی اولادِ بولہب را
تو ابنِ بوترابی باید کہ خاک باشی

حدیث رسول ہے: ''مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ" (جس نے امام زمانہ کو نہیں پہچانا اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مشرک یا منافق مرا)۔ مقصد حدیث یہ ہے کہ بلا معرفتِ امام نہ توحید درست ہے اور نہ اعتقاد نبوت ہی۔ اسی لئے از روئے قرآن روزِ جزا ہر ایک شخص اپنے امام کے ساتھ محشور ہوگا۔ غرض کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد اولی الامر کی اطاعت واجب و لازم ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ ''مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ الْحُسَيْنِ مَاتَ شَهِيْدًا (جو امام کی معرفت و محبت میں مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے)۔ اس حدیث کا اشارہ غنی کے اس شعر میں ملتا ہے ۔

کسے بروزِ جزا سرخرو تواند شد
کہ خاکِ پائے شہیدانِ کربلا باشد

غنی کا ایک اور شعر ہے اس کا مفہوم ہے کہ مسلمان اسی وقت پیر دستگیر کے راہ یقین یعنی عقیدت مندی پر چل سکتا ہے جب اس کی تسبیح کا امام خاک کربلا سے بنا ہو۔ مقصد شعر یہ ہے کہ جب تک کہ مسلمان کے دل میں آلِ محمد کی معرفت نہ ہو اس کی تمام عبادتیں بے کار ہیں۔ ذیل کا شعر بھی قابلِ غور ہے۔ ''خاکِ غم'' اور ''ایامِ ماتم'' سے ذہن انسانی واقعۂ کربلا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ۔

چشم تا وا کردہ ام بر خاکِ غم افتادہ ام
ہمچو طفلِ اشک در ایامِ ماتم زادہ ام

ملا محمد طاہر غنی کے ایک بھائی ملا عبدالغنی علم و حکمت میں گوہر نایاب تھے۔ ان کے حالات کم ملتے ہیں۔ ''نجوم السما'' (صفحہ ۲۲۵) از مرزا محمد علی لکھنوی اور ماہر غالبیات مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل اپنی کتاب ''مطلع انوار'' صفحہ ۳۱۵ میں لکھتے ہیں کہ مولانا ئے موصوف علوم دینیہ کے فاضل و عالم صاحب تصانیف تھے۔ وہ ملا محمد صالح مازندرانی (شاگرد ملا محمد تقی مجلسی اول) کے شاگرد تھے۔ ملا عبدالغنی نے علی رضا بن افراسیاب خان صوبہ دار کشمیر کی فرمائش سے شرائع الاسلام (شیعی دنیا کے معروف عالم متبحر اور مجتہد اعظم شیخ نجم الدین ابوالقاسم معروف بہ شیخ حلی متوفی ۶۷۶ھ مطابق ۱۲۸۴ء کی تصنیف ہے) کا عربی سے فارسی میں شرح کے ساتھ ترجمہ کیا۔ اس کا تاریخی نام ''جامع الرضوان'' (سال تالیف ۱۱۶۱ھ) ہے۔ مطبع نولکشور لکھنو سے اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ یہ ہندوستان اور پاکستان کے

عربی کالجوں میں شامل نصاب ہے۔ ملا عبدالغنی کا انتقال ۱۱۶۶ھ میں ہوا۔ حسن آباد میں دفن ہیں۔

ملا ساطع - ملا غنی کشمیری کے بھتیجے تھے۔ خان آرزو مجمع النفائس میں ساطع کا نام ملا عبدالحکیم لکھتے ہیں۔ وہ فارسی کے باکمال شاعر اور نثر نگار تھے۔ ساطع نے نثر میں "گلشن اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ بقول خان آرزو :

"ساطع در فن نثر خیلے قدرت داشت۔ و بسیار رنگین و پختہ می نوشت"۔

ساطع فن لغت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ "حجت ساطع" مشہور فرہنگ "برہان قاطع" کا انتخاب بھی کیا ہے۔ ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔ اعظم دیدہ مری نے تاریخ کہی: "نور ایماں بمرقدش ساطع"۔

ساطع اپنے آبائی مقبرہ حسن آباد سری نگر میں دفن ہیں۔

کتابیات

مقالہ کی تیاری کے لئے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ جاوید نامہ۔ از ڈاکٹر اقبال۔ مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور۔

۲۔ تذکرۂ نصرآبادی۔ ٹیگور لائبریری، لکھنو یونیورسٹی۔

۳۔ تذکرۂ کلمات الشعرا۔ محمد افضل سرخوش۔ ٹیگور لائبریری لکھنو یونیورسٹی۔

۴۔ دیوان غنی مطبوعہ مطبع مصطفائی۔ لکھنو، کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو۔

۵۔ واقعات کشمیر۔ اعظم دیدہ مری قلمی محکمہ آرکائیوز، دہلی۔

۶۔ واقعات کشمیر۔ مترجم اقبال اکادمی لاہور ۱۹۹۵ء۔

۷۔ دیوان غنی (قلمی)۔ راجہ صاحب محمود آباد۔ قیصر باغ لکھنو۔

۸۔ اودھ کیٹلاگ (شاہان اودھ لکھنو)۔ مطبوعہ ۱۸۵۴ء، کلکتہ۔

۹۔ غنی کشمیری (فارسی)۔ ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی۔ مطبوعہ کلچرل اکادمی، سری نگر ۱۹۷۲ء۔

۱۰۔ تاریخ حسن حصہ اول و دوم۔ مطبوعہ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، سری نگر۔

۱۱۔ بہارستان شاہی۔ مرتبہ اکبر حیدری کشمیری، مطبوعہ انجمن شرعی شیعان کشمیر ۱۹۸۱ء۔

۱۲۔ رسالہ (قلمی)۔ متعلقہ بہ خاندان عشائی۔ محکمہ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، سری نگر۔

۱۳۔ تاریخ اقوام کشمیر جلد اول (۱۹۳۴ء) و جلد دوم (۱۹۴۳ء)۔ محمد الدین فوق، مطبوعہ لاہور۔

۱۴۔ تحفۃ الاحباب (قلمی)۔ سال تصنیف ۹۵۹ ہجری۔ مصنف نامعلوم۔

۱۵۔ کشیر، جلداول و دوم۔ غلام محی الدین صوفی، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۴۹ء۔
۱۶۔ تاریخ شیعان کشمیر۔ حکیم غلام صفدر، مطبوعہ ۱۹۷۰ء۔
۱۷۔ مشاہیر کشمیر۔ از محمد الدین فوق ۱۹۳۰ء۔
۱۸۔ پیام مشرق۔ از علامہ اقبال۔
۱۹۔ الذریعہ الٰی تصانیف الشیعہ۔ آقا بزرگ طہرانی۔ جلد نہم، حصہ سوم۔ تنظیم المکاتب لکھنو۔
۲۰۔ کحل الجواہر۔ از سید علی موسوی، مطبع اسلامی لاہور ۱۲۶۴ھ۔
۲۱۔ نجوم السما (تذکرہ علمائے شیعان)۔ از مرزا محمد علی لکھنوی۔
۲۲۔ مطلع انوار (تذکرہ علمائے شیعان)۔ مرتبہ سید مرتضٰی حسین فاضل۔
۲۳۔ جامع الرضوان۔ از ملّا عبدالغنی، مطبوعہ نولکشور لکھنو، طبع پنجم، ۱۹۱۵ء۔
۲۴۔ خدا بخش جرنل، پٹنہ۔ شمارہ ۲، ۳۔ بابت ۱۹۷۷ء
۲۵۔ فرہنگ ادبیات فارسی دری۔ مولفہ دکتر زہرائی خانلری کیا۔

Hamadania Colony, Bimna
Srinagar, Kashmir

فہرست

پیش نامہ			۵
مکتوبات	قاضی عبدالودود کے خطوط قیوم خضر کے نام		۸
	ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی کے خطوط بنام پروفیسر نذیر احمد		۱۲
تاریخ ہند	آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کا تاجِ شاہی	ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی	۲۹
	جھارکھنڈ کے چیرو قبائل	پروفیسر نادم بلخی	۳۵
مخطوطہ/	علی گڑھ میں تصانیف خسرو کے قلمی نسخے	پروفیسر مختار الدین احمد	۴۵
کتابشناسی	فرہنگ قواس : تصحیح کا اعلا نمونہ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	۵۴
	زبدۃ الاخبار فی سوانح الاسفار (محیط ثالث)	سید حسن عباس	۶۱
	تذکرہ ریاض الشعرا کے ایک مخطوطے کی سرگزشت	سید حسن عباس	۶۹
	نعت رنگ کراچی - ایک مطالعہ	ڈاکٹر نسیم الدین فریس	۷۰
	تاثرات - ایک مطالعہ	احمد یوسف	۷۲
مقالات: اردو	اُستادِ محترم - ڈاکٹر نذیر احمد صاحب	پروفیسر نیر مسعود	۷۶
و فارسی ادبیات	ذوقی بلگرامی	پروفیسر سید امیر حسن عابدی	۸۱
	جمیل بدخشی - فارسی کا ایک فراموش شدہ شاعر	پروفیسر سید امیر حسن عابدی	۸۴
	ملا محمد طاہر غنی کشمیری (حیرت انگیز انکشاف)	پروفیسر اکبر حیدری کشمیری	۸۷
	صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر عبدالکلام - بہ حیثیت شاعر	ڈاکٹر قمر رئیس	۱۰۱
	فارسی و اردو ادب پھلواری شریف میں	ہلال احمد قادری	۱۱۱
	آ گیا بزم ادب میں مدح خوانِ کربلا	تمنا مظفر پوری	۱۲۹
	احوالِ پاشا (سوانح احمد جمال پاشا)	ظفر کمالی	۱۳۳
	مجتبیٰ حسین کی مزاحیہ خاکہ نگاری	حسن مثنیٰ	۱۴۵
	ستیش بترا - احوال و آثار	محمود الحسن	۱۵۱

مشورت ادراک و ہشیاری دہد — عقلہا را عقلہا یاری دہد (مولانا روم)

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے — عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے (اقبال)

(۴)

مجلس مشاورت

ڈاکٹر مختار الدین احمد — ڈاکٹر عارف نوشاہی
پروفیسر نادم بلخی — ڈاکٹر ظفر کمالی
ڈاکٹر ارشاد حسن معصومی — ڈاکٹر ولی احمد ولی

معاونین

محمود الحسن — فہیم جوگاپوری
امانت حسین — ارشاد احمد
فاروق سیوانی — چمن شرما شرر سیوانی
سید محمد نعیم

مدیر (اعزازی)

سید حسن عباس

ترسیل زر کا پتا

ڈاکٹر نذر عباس
گوپال پور، باقر گنج، سیوان
بہار - ۸۴۱۲۸۶ (ہند)
فون نمبر ۔ ۰۶۱۵۴-۲۲۲۳۳۱

زر سالانہ	۱۰۰ روپے
لائبریریوں سے	۲۰۰ روپے
اس شمارے کی قیمت	۵۰ روپے
بیرون ممالک فی شمارہ	۵ ڈالر
سالانہ	۱۲ ڈالر

مقالہ نگاروں کی آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی سیوان کی عدالت میں ممکن ہے۔

زیر اہتمام: مرکز تحقیقات اردو و فارسی گوپال پور۔ باقر گنج، سیوان۔ بہار (ہند)

کمپوزنگ: کمپیوز گیلکسی، حیتان نو پہ مارکیٹ کے سامنے، برا مندر روڈ، پٹنہ۔۶، موبائل نمبر 0612-3337368

پرنٹر، پبلشر، اڈیٹر سید حسن عباس نے [illegible] چھپوا کر دفتر ادراک گوپال پور۔ باقر گنج، سیوان (بہار) سے شائع کیا۔

ادراک
گوپالپور
مدیر اعزازی
ڈاکٹر سید حسن عباس